لال قلعے سے لاؤکھیت تک

(از محمد منصور بی۔اے (کوم)۔)

غدر سے پہلے کی بات ہے ہماری برادری حکیموں اور طبیبوں کی برادری تھی اس کے اجزائے ترکیبی پیشہ ورانہ ہم آہنگی کی وجہ سے نسلی رشتہ میں منسلک ہو گئے تھے اور رفتہ رفتہ اس چھوٹے سے کنبہ نے اچھی خاصی برادری کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔ برادری کے اراکین اپنے پیشے اور علم و فضل کی وجہ سے شہر میں خاص عزت و اکرام کے مالک تھے اور عوام و خواص دونوں میں مقبول تھے۔ طب یونانی کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی۔ بادشاہ، درباری امرار، معززین شہر سب اسی طریقہ علاج کے پیرو تھے۔ اور حکیم صاحبان کو وظیفے، نذرانے اور تحفے تحائف کے طور پر اتنا کچھ دے دیتے تھے کہ وہ فراغت اور اطمینان کے ساتھ اپنے پیشے میں کمال حاصل کرتے تھے۔ اور بلا امتیاز اور بغیر لالچ محض خدمت خلق کے جذبے کے ماتحت امیر غریب سب کا علاج کرتے تھے۔ اور کسی قسم کے معاوضہ لینے کو گناہ سمجھتے تھے۔ طب یونانی کا ذریعہ تعلیم عربی زبان تھی۔ اور کسی طالب علم کو حکیم بننے سے پہلے نہ صرف طب کی متداول کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ بلکہ علم ہیئت، نجوم، قیافہ، جغرافیہ، تصوف صرف و نحو، فقہ و حدیث غرض تمام علوم مروجہ پر عبور حاصل کرنا ہوتا تھا۔ اور جب فارغ التحصیل ہو کر دستار فضیلت اس کے سر پر بندھتی تھی تو وہ نہ صرف طبیب و حکیم بلکہ جید عالم و فاضل بھی ہوتا تھا۔ اسی علم و فضل اور اسی بے غرض فیض رسانی کی وجہ سے حکیموں کو معاشرے میں بہت بڑا درجہ حاصل تھا۔ اور ان کے مطب بجائے خود دربار ہوتے تھے۔ ہماری برادری کے حکیم بھی اپنے پیشے میں ممتاز اور معاشرتی حلقوں میں نمایاں تھے۔ لال قلعے کے نواح میں جہاں اب پریڈ کا میدان ہے۔ درباری امرار اور معزز شہریوں کی بڑی بڑی حویلیاں اور مکانات تھے اور بڑے بارونق بازار اور کوچے تھے۔ خانم کا بازار، اردو بازار وغیرہ اسی علاقے میں تھے۔ ہماری برادری کے بیشتر حضرات بھی اسی علاقے میں رہتے تھے۔ کچھ حضرات بلیماران، گلی قاسم جان، فراش خانہ اور حوض قاضی میں تھے۔

غدر کے بعد دلی کے مسلمانوں پر جو بپتا پڑی وہ تو سبھی کو معلوم ہے۔ درباری امرار سے لیکر میر محلہ تک جو بھی ذرا ممتاز اور سربرآوردہ نظر آیا۔ اسے پکڑ لیا گیا، بے عزتی کی گئی سزا دی گئی۔ اور دس بیس نہیں ہزاروں کو سر بازار پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ اس وقت تک دلی مسلمانوں کے بچے کچھے جاہ و جلال، شوکت و سطوت، علم و فضل اور ہنر و فن کا گہوارہ تھی۔ قتل و غارت کے اس طوفان میں بالکل اجڑ کر رہ گئی۔ جان و مال کے نقصان کے علاوہ سب سے زیادہ المناک حادثہ یہ پیش آیا کہ مسلمانوں کی روح بالکل ختم ہو گئی۔ ان میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہی نہیں زندہ رہنے کی خواہش بھی باقی نہ رہی۔ وہ بے جان مردے کی طرح اپنی قسمت پر شاکر، مستقبل سے بے نیاز، زندگی کے دن پورے کرنے لگے۔ اور امنگ، حوصلہ، جوش غرض زندگی کی ہر حرارت سے محروم ہو گئے۔

دلی کے دوسرے امرار اور شرفار کی طرح ہماری برادری کا بھی یہی حشر ہوا۔ خانم کا بازار اور اردو بازار جہاں ان کی آبادی کی اکثریت تھی اس طرح مسمار کر دیئے گئے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ ان کے املاک، دفینے، زیورات، اثاث البیت اور نقدی سب لوٹ مار کی نذر ہوئے۔ اور وہ خود اپنے وطن میں بے وطن اور اپنے شہر میں بے گھر اور بے زر ہو کر رہ گئے جو امرار ان کی سرپرستی کیا کرتے تھے وہ خود مفلوک الحال ہو گئے تھے ان کی مدد کیا کرتے۔ یہ خود اپنی مدد آپ کرنے کے قابل

بھی نہ رہے۔ دولت کی فراوانی اور پیشے کے اقتدار نے ان حکیم صاحبان کو اس قدر سہل پسند اور آرام طلب بنا دیا تھا کہ اب ان میں تنازع للبقا کے لئے کسی جدوجہد کی سکت ہی باقی نہ تھی۔ اور وہ بالکل بے دست و پا اور بے یار و مددگار ہو کر تقدیر کا رونا روتے ہوئے یاس و قنوطیت کا شکار ہو گئے۔ انگریزی حکومت کی سرد مہری اور عوام الناس کے افلاس نے ان کے پیشے میں جمود پیدا کر دیا۔ اور علمیت کی جگہ توہم اور علاج کی جگہ ٹوٹکوں نے لے لی۔ اور جس طرح بگڑا ہوا شاعر مرثیہ گو بن جاتا ہے اسی طرح ہمارے بہت سے بگڑے ہوئے حکیم عطار بنکر رہ گئے۔ اور آہستہ آہستہ حکیموں کی اس برادری میں بھی درجہ بندی ہو گئی۔ زمانے کی بے التفاتی اور پیشہ کی بے قدری نے ردعمل کے طور پر ان کے تحت الشعور میں جھوٹی شیخی اور نسلی تفاخر کا جذبہ پیدا کر دیا اور خواہ مخواہ ایک بھائی دوسرے بھائی پر فوقیت جتانے لگا۔

غرض اسی پیشہ ورانہ جمود میں ایک دو نسلیں گذر گئیں اور ہماری برادری کے لوگ زمانے کے انقلابات سے بے خبر اپنے حال میں مست، پدرم سلطان بود کے خواب دیکھتے رہے۔ اور زمانہ کو اپنے ساتھ چلانا تو کجا زمانے کے ساتھ بھی نہ چل سکے۔ حتیٰ کہ سر سید علیہ الرحمۃ کی عظیم الشان تحریک بھی ان پر کوئی اثر نہ ڈال سکی۔ کتنی حسرتناک بات ہے کہ سر سید کی تحریک کے ابتدائی دور میں جب کم و بیش ہر معزز مسلمان خاندان کسی نہ کسی طرح اس سے متاثر تھا۔ ہماری برادری کا کوئی فرد علیگڑھ کالج نہ پہنچ سکا۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ انھیں اس طرف رغبت دلاتا تو کیا عجب تھا کہ ہماری تاریخ مختلف ہوتی۔

بہر حال تعصب تفاخر اور رہبری کے فقدان نے ہمیں معاشرے کی صف اول سے نکال کر جوتیوں میں ڈال دیا اور ہم "پٹیا نیہ تیرھویں ٹوپی" اور "کھچڑی کھانے" ہو کر رہ گئے۔ سماجی اور معاشرتی عزت کے جو منصب ہمارے پاس تھے آہستہ آہستہ زمانے کے بے درد ہاتھوں نے ہم سے چھین لئے۔ پھول والوں کی سیر دلی والوں کا قومی میلہ تھا۔ اس کا انتظام برادری کے سربراہ کیا کرتے تھے دلی کے اوقاف، مساجد، مقابر، درگاہوں وغیرہ کے انتظام میں اہل برادری کا بڑا دخل تھا۔ دلی کی شہری زندگی اور شہری انتظام میں برادری والے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ دلی کے معززین میں انھیں خاص مقام حاصل تھا یہ سب مناصب ان سے چھین لئے گئے۔ اور ان کی پوزیشن کم و بیش وہی ہو گئی جو پیشہ ور لوگوں کی برادریوں کی تھی۔

ان تمام تلخ کامیوں اور مایوسیوں کے باوجود ابھی تک ہماری برادری میں ایک بہت اہم صفت باقی تھی۔ اور وہ یہ کہ ہر شخص برادری کے معاشرتی نظام پر سختی سے کاربند تھا۔ اور سربراہ حضرات کے حفظ مراتب میں بدرجہ غلو اہتمام کرتا تھا۔ برادری کا نظام اتنا سخت اور اس کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ کوئی شخص اس کے خلاف عمل کرنا تو کجا بولنے کی جرأت بھی نہ کرتا تھا۔ اور اسی وجہ سے ہماری برادری بہت سے ایسے معاشرتی عیوب سے محفوظ تھی جو عموماً آزادانہ بے راہ روی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ برادری کے نظام اور اس کے قواعد کی پابندی کے معاملے میں ہمارے چودہری صاحبان بہت زیادہ حساس تھے۔ اور اس ضمن میں وہ سخت سے سخت کاروائی سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ اور اپنے وقت عزیز کا بہت بڑا حصہ اسی کام میں صرف کرتے تھے۔ (جناب حاجی نور الدین مرحوم، جناب حاجی الٰہی بخش مرحوم، جناب سراج الدین مرحوم، جناب حاجی شہاب الدین مرحوم۔ جناب حاجی شفیع الدین مرحوم جناب حاجی احمد حسین مرحوم۔ جناب حکیم غیاث الدین مرحوم، جناب محمد عمر مرحوم، جناب حافظ حمید الدین مرحوم۔ جناب حاجی عبد الغفور مرحوم، جناب معین الدین مرحوم، اور جناب حاجی محمد اشتیاق صاحب دہلی میں برادری کے چودہری ہوئے ہیں)۔ ہماری برادری کے نظام کی یہ مضبوطی جہاں دوسروں کے لئے باعث رشک تھی وہاں خود ہمارے لئے ایک چیلنج تھی اور پکار پکار کر کہہ رہی تھی

"ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی"

چنانچہ برادری کے بعض حوصلہ مند اور صاحب بصیرت حضرات نے اس چیلنج کو منظور کیا اور اس صدی کی دوسری دہائی میں تعلیم و ترقی کے

منصوبوں پر عمل کرنے کے لئے انجمن اربابِ اتحاد کی بنیاد پڑی اس انجمن نے تعلیم کا شوق دلانے اور تعلیمی سہولتیں مہیا کرنے کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ لوگوں کو تعلیم کی طرف متوجہ کیا۔ ذہین طلبہ کو انعامات دیئے۔ نادار طلبا کی وظائف سے امداد کی۔ ایک مدرسہ وثوق الاسلام کے نام سے قایم کیا۔ جو ماشاء اللہ شہر میں امتیازی حیثیت کا مالک تھا۔ مدرسہ شبینہ کا انتظام کیا۔ اس کے علاوہ خدمتِ خلق اور ترقی کا شوق دلانے کے لیے مختلف اسکیمیں بنائیں۔ لوگوں کو ایک دوسرے سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے ایک پلیٹ فارم دیا۔ فضول خرچی کو روکنے اور اپنے غریب بھائیوں کو سہولت پہنچانے کے لئے شادی بیاہ کی رسومات پر پابندی لگائی۔ برادری کے قبرستان کی حفاظت کا انتظام کیا۔ اور رفاہِ عام کے لئے دوسرے بہت سے کام کئے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ اس جمود و تعطل کو توڑا جو اب تک ترقی کی راہ میں روڑا بنا ہوا تھا۔ لوگوں کو خدمتِ خلق اور رفاہِ عام کے لئے آمادہ کیا۔ اور کارکنوں کا ایک گروہ تیار کیا اس انجمن کے کارکنوں میں منشی محمد دین خلیقی مرحوم، حافظ محمد ایوب مرحوم، بابو اعجاز الدین مرحوم اور بابو محمد صدیق زیادہ ممتاز ہیں لیکن عین اس وقت جب پہلی جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی اور ترقی کی اس تحریک کی بڑی سخت ضرورت تھی یہ تحریک اصلاح رسوم سے متعلقہ کھلی بند جہیز کے جھگڑے کی نذر ہو گئی۔ اور پھر شاید آٹھ دس برس تک لوگ فروعی باتوں میں الجھتے رہے اور کچھ خاموش کارکنوں کی کارگزاری کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہوا۔ تھوڑے عرصے کے بعد ایک انجمن سیفر قوم کے نام سے قایم ہوئی۔ لیکن یہ بھی زیادہ پنپ نہ سکی۔ کافی عرصہ تک پھر جمود و تعطل کا دور دورہ رہا۔ بالآخر ایک انجمن اربابِ ارتقار کے نام سے وجود میں آئی اس کا مقصد بھی انجمن اربابِ اتحاد کی طرح تعلیم و ترقی کے منصوبوں پر عمل کرنا تھا۔ کچھ عرصے کام کرنے کے بعد یہ انجمن بھی اصلاح رسوم سے متعلق بعض تجاویز کے تنازع و تصادم کی نذر ہو گئی۔ کتنی المناک حقیقت ہے کہ یہ تحریک بھی عین اس وقت ناکام ہوئی جب دوسری جنگ عظیم اپنے شباب پر تھی۔ اور لوگوں کو اپنی تجارت و صنعت کی ترقی کے لئے بیش بہا مواقع مل سکتے تھے۔ جب دوسرے لوگ تن من سے دولت کمانے اور زندگی سنوارنے میں مصروف تھے ہم اس بات پر بحث و مباحثہ کر رہے تھے کہ ہمارا نظام چودھراہٹ ہونا چاہیئے یا جمہوریت!!!

اگرچہ من حیث القوم ہم نے یہ تمام تدرتی مواقع ضایع کر دیئے مگر انفرادی طور پر ہمارے بعض افرادِ قوم نے اپنی حسب حیثیت و لیاقت کچھ فوائد حاصل کئے۔ نیز کئی زمانہ سے بہت سے حضرات نے عطاری کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ بعض حوصلہ مند حضرات نے یونانی ادویات کی تھوک تجارت شروع کر دی۔ اور پھر رفتہ رفتہ اس میں اختصاص اور اجارہ سا حاصل کر لیا۔ چونکہ یونانی ادویات کی تھوک تجارت بھی فنی نوعیت رکھتی ہے۔ اس لئے اس میں انھیں خاصی کامیابی ہوئی اور ہماری برادری کے افراد نے کھاری باولی میں کہ اس تجارت کا مرکز تھا خاص مقام حاصل کر لیا۔ پہلی جنگ عظیم کے معاشی حالات نے ان کی پوزیشن بنانے میں بڑی مدد کی۔ اس سلسلے میں غلام حسین فصیح الدین۔ تفضل حسین الطاف حسین نظام الدین زین العابدین اور پھر بعد میں محمد حسین اجمل حسین کی فرموں نے امتیاز حاصل کیا۔ عطاری اور دواسازی کے کام میں جمال الدین حمید الدین کا دواخانہ یونانی مشہور خاص و عام تھا۔ اور کافی عرصہ تک وہ اس لائن میں منفرد اور اول رہا۔ برادری کے حضرات نے بہت سی دوسری تجارتی لائنوں میں بھی قسمت آزمائی کی۔ اور بعض جگہ خاصے کامیاب ہوئے اسلحہ فروشی میں غفور بخش فضل عظیم، اچار مربے کے کام میں شہاب الدین، شفیع الدین، ٹوپی فروشی میں حاجی عبد الغفور نیل اور پٹرول میں حاجی اشفاق الدین، رنگ میں حاجی لطیف بخش عبد الکریم اور پھر بعد میں آئل کلاتھ فروشی میں محمد دین اینڈ سنز اور کیمیکل میں شیخ محمد مقصود اینڈ سنز قابل ذکر ہیں۔

بعض حضرات نے سرکاری ملازمت کی طرف بھی رجوع کیا۔ مگر اس میں کوئی مابہ الامتیاز کامیابی حاصل نہیں کی۔ اس ضمن میں حکیم احمد حسین صاحب تحصیلدار قابل ذکر ہیں۔

تعلیم کی تشویق اور ترغیب سے ہمارے بعض حوصلہ مند نوجوانوں کے

نوجوانوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اس طرح تعلیمی ترقی کا پیش خیمہ بنے شیخ محمد یامین صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل ہمارے برادری کے پہلے وکیل اور جناب ڈاکٹر اعزاز لقائی صاحب بی ایس سی، ایم بی بی ایس ہماری برادری کے پہلے ڈاکٹر ہیں۔

ہماری برادری کے ادیبوں میں خلیقی مرحوم ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اردو کے بڑے اچھے ادیب تھے۔ نیاز فتحپوری اور سید سجاد حیدر یلدرم کے مکتب ادب کے پیرو اور انہی کے طرز پر بڑی مقفیٰ اور مسجع عبارت لکھتے تھے۔ ہمایوں، ساقی، نگار، وغیرہ ممتاز رسائل میں ان کے مضامین نکلتے تھے۔ یلدرم کی مشہور کتاب "خیالستان" کے طرز پر انھوں نے بھی ایک کتاب "ادبستان" لکھی ہے۔ جس کا مقدمہ مشہور رومانی شاعر اختر شیرانی نے قلمبند کیا ہے۔ خلیقی مرحوم برادری کے بڑے بیدار مغز رہنما تھے اور انھوں نے برادری کی فلاح و بہبود کے لئے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

لیکن ہماری برادری کے لئے خلیقی مرحوم کا سب سے بڑا کارنامہ بزم ادب کا قیام ہے۔ برادری کے نوجوانوں میں ادبی و مجلسی ذوق پیدا کرنے کے لئے انھوں نے حاجی اشفاق الدین مرحوم اور حکیم امتیاز الدین صاحب کی معیت میں یہ ادارہ قایم کیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اٹھائیس برس گذرنے کے باوجود ابھی تک یہ ادارہ نہ صرف قایم ہے بلکہ سرسبز و شاداب ہے اس کے کارکنوں میں منشی حبیب بخش صاحب ہوش اور محمد منصور نمایاں رہے۔ دہلی میں اس کے جلسے بڑے معرکے کے ہوتے تھے۔

دہلی مرحوم کے آخری دور میں ہماری برادری کی خواتین نے بھی اپنے ادبی ذوق کی تسکین کے لئے اپنی علیحدہ خواتین بزم ادب بنائی تھی۔ جس کی بانی و محرک لئیق سلطانہ نثار تھیں۔

چھوٹے بچوں کی بھی ایک بڑی متحرک اور فعال انجمن ضیاء الادب کے نام سے تھی۔ محمد صالحین صاحب اور عظیم بخش صاحب اس کے نمایاں کارکن تھے۔

ہماری برادری کے افراد نے شہری معاملات میں بھی دلچسپی لینی شروع کردی تھی۔ سنہ ۴۲ء میں پہلی دفعہ میونسپل کمیٹی کے انتخاب میں حاجی اشفاق الدین مرحوم امیدوار ہوتے۔ اور معرکہ کے الیکشن کے بعد لفضلہ کامیاب ہوتے۔ اور چھ سال تک برابر میونسپل کمشنر رہے۔ اور علاقہ و شہر کی خدمت کرتے رہے۔ اس کے بعد انیس احمد صاحب رشدی بلامقابلہ کامیاب ہوئے۔ اور پھر شیخ محمد یامین صاحب ایڈوکیٹ ایک اور معرکے کا الیکشن جیتنے کے بعد میونسپل کمشنر منتخب ہوئے۔

اس کے علاوہ شہر میں ایک مذہبی انجمن سیف الاسلام کے نام سے تھی۔ اس کے بیشتر کارکن ہماری برادری کے افراد تھے ایک زمانہ میں اس کے جلسوں اور خصوصاً سالانہ اجلاس کی بڑی دھوم ہوا کرتی تھی۔

فراش خانے کے باہر انجمن خدام النبی کے جلسہ میلاد بھی بڑی شان و شوکت سے ہوا کرتے تھے اور دور دور سے علماء و مشایخ تشریف لایا کرتے تھے۔ اس انجمن کے منتظم بھی ہماری برادری کے افراد اور اس کے سکریٹری حکیم محمد تقی صاحب تھے۔

حکیم محمد تقی صاحب ایک ماہانہ ادبی رسالہ "مشہور" بھی نکالتے تھے جو بہت مقبول تھا۔

ہماری برادری کے ایک بزرگ پروفیسر ابراہیم علی خاں بڑے اچھے عالم اور پٹیالہ کالج میں پروفیسر تھے۔

یہ تذکرہ نامکمل رہے گا اگر برادری کی دو بزرگ اور قابل احترام ہستیوں کا ذکر نہ کیا جائے جو اپنے اوصاف حمیدہ اور کمالات باطنیہ کی وجہ سے مرجع خلائق تھیں۔ دلی میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور حضرت مولانا شاہ محمد عمر صاحب المعروف بہ اخوند صاحب سے کون واقف نہیں۔ بڑے اخوند صاحب اور چھوٹے اخوند صاحب دونوں بڑے متبحر عالم اور صاحب تصوف بزرگ تھے ان کے رشد و ہدایت اور فیوض روحانی سے ہزاروں آدمی فیضیاب ہوئے۔ ان کے سینکڑوں شاگرد اور ہزاروں مرید اب بھی اسی سلسلہ رشد و ہدایت سے منسلک صدقہ جاریہ بنے ہوئے ہیں۔

قراش خانہ میں اخوند صاحب کی مسجد اور خواجہ باقی باللہ میں حضرت کے مزار شریف اب بھی زیارت گاہِ خاص و عام ہیں۔ دسویں محرم کو عرس ہوتا ہے۔

حیدر آباد دکن میں حکیم مصباح الدین صاحب کی مقناطیسی ہستی بھی مرجع خلائق تھی۔ بڑے جید حکیم اور بڑے طنطنہ کے بزرگ تھے۔ بڑے بڑے امرا حتیٰ کہ مہاراج سرکشن پرشاد بلکہ خود نظام حیدر آباد ان کے مرہونِ علاج ہیں۔

غرض یہ پس منظر تھا برادری کے عمومی معاشرے کا۔ جب تحریک پاکستان کی ابتدا ہوئی۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں ہندوستانی مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا۔ اور دو سو برس کی غلامی کے بعد وہ پہلی دفعہ منظم ہو کر آزادی کی جدوجہد میں لگ گئے۔ اور فقید المثال جوش، ولولہ اور یکجہتی سے سات آٹھ برس کی مختصر مدت میں پاکستان کی مملکت حاصل کر لی۔ اس جدوجہد آزادی میں اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ حصول پاکستان کا ان کو براہ راست کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اور ان کی پوزیشن زیادہ سے زیادہ پاسنگ کی ہوگی مگر اس کے باوجود یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انھوں نے اکثریتی صوبوں کے مسلمانوں سے زیادہ قربانیاں دیں۔ اور تحریک پاکستان کو تقویت پہنچائی ہمیں اس بات پر فخر حاصل ہے کہ اس عظیم الشان تحریک میں ہم نے بھی دوسرے مسلمانوں کے شانہ بشانہ قربانیاں دی ہیں۔ اور خدمت کی ہے مگر قدرت شاید اس قربانی اور ایثار سے مطمئن نہ تھی۔ اعلان پاکستان اور قیام پاکستان کے فوراً بعد اقلیتی مسلمانوں پر جو قیامت صغریٰ نازل ہوئی وہ ناقابل فراموش ہے۔ اس خونچکاں داستان کو دہرانا اس مضمون کا مقصد نہیں ہے۔ بتانا صرف یہ مقصود ہے کہ آگ اور خون کی اس ہولی میں ہماری برادری کے افراد کا خون اور اُن کے آنسو بھی اسی طرح شامل ہیں جس طرح دوسرے مسلمانوں کے ہیں۔ دلی کے اس دوسرے غدر میں ہماری برادری کے بہت سے افراد شہید و مجروح ہوئے اور مالی نقصان کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں۔

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ عرصہ کی بے حسی اور جمود کے بعد ہماری برادری میں زندگی کی کچھ حرارت آنی شروع ہوئی تھی۔ اور انہوں نے اپنی فلاح و بہبود کے متعلق کچھ سوچنا اور کچھ عمل کرنا شروع کیا تھا۔ اور یہ امید پیدا ہو چلی تھی کہ پرانی شکل میں نہ سہی۔ بہر حال کسی نہ کسی نوعیت میں ہم ترقی و کامرانی کی طرف گامزن ہو رہے ہیں کہ یکایک یہ زلزلہ آگیا جس سے ہماری برادری کی بنیادیں تک ہل گئیں۔ تمام معاشرہ، تمام ماحول اور تمام روایات جن پر یہ ڈھانچہ کھڑا تھا مسمار ہو گیا۔ حتیٰ کہ وطن عزیز کی مٹی بھی چھن گئی اور وہ حیران و پریشان، افتاں و خیزاں، کشاں کشاں قافلہ در قافلہ گھر سے پرانے قلعہ، پرانے قلعے سے ہمایوں کے مقبرے اور پھر صفدر جنگ اور پالم کے ہوائی اڈوں کے خانہ بدوشوں کی طرح چکر کاٹنے لگے۔ ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ طرح طرح سے ستایا اور لوٹا گیا۔ ہوائی اڈے کی ٹیکسی کے لئے ڈیڑھ سو روپے اور ہوائی جہاز کے ٹکٹ کے لئے چار پانچ سو روپے تک دینے پڑے۔ غرض اثاث البیت، نقد، زیورات، وغیرہ کے اندوختے بہت کچھ انہی حوادث کی نذر ہوئے۔ کچھ راستے میں خرد برد ہوئے۔ کچھ یہاں پگڑیوں اور سلامیوں میں برابر ہوئے۔

دلی کے دوسرے مسلمانوں کی طرح ہماری برادری کے افراد نے بھی اپنا بیشتر سرمایہ جائدادوں میں لگا رکھا تھا۔ اور اس کا کرایہ کھاتے تھے۔ موروثی جائداد کے علاوہ اپنی کمائی بھی سب اینٹ پتھروں میں منتقل ہو چکی تھی۔ وہ سب کچھ ان سے کچھ اس طرح چھین لیا گیا جیسے وہ کبھی اس کے مالک ہی نہ تھے۔ اس تمام انقلاب روزگار میں سب سے زیادہ قابل رحم حالت ہمارے بزرگوں کی تھی۔ چھوٹے تو خیر ناتجربہ کار تھے۔ عمر کے لحاظ سے ہمت و حوصلہ بھی برقرار تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنے ہاتھ کی کمائی نہ تھی۔ اس نقصان کو برداشت کر سکتے تھے مگر ہمارے بزرگ اس انقلاب کے لئے بالکل تیار نہ تھے ان کا خیال تھا کہ ہر چیز کو چھینا جا سکتا ہے لوٹا جا سکتا ہے مگر جائداد کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ اور اسی لئے وہ جائداد کو محفوظ ترین سرمایہ سمجھتے

تھے۔ اور جہاں اپنے خرچ سے کچھ رقم فالتو بچتی تھی جمع کر کے کوئی نہ کوئی مکان، دکان وغیرہ خرید لیتے تھے۔ آمدنی کے علاوہ صاحب جائداد آدمی کی بڑی پوزیشن اور عزت تھی۔ اور اسی لئے جائداد میں بڑی کشش تھی۔ قدرتی طور پر ان کو اس نقصان کا بڑا قلق تھا۔ اور ان کے دل و دماغ میں زبردست کشمکش تھی۔ ایک طرف جان کا خطرہ اور مستقبل کی فکر تھی اور دوسری طرف بزرگوں کے ورثہ اور اپنی عمر بھر کی کمائی چھننے کا صدمہ تھا۔ جسے نہ معلوم کس کس طرح پاپڑ بیل کر انھوں نے جمع کیا تھا۔ اسی کے ساتھ انھیں یہ غم بھی کھائے جاتا تھا کہ اب ان کا تھکنی کا وقت ہے۔ اگر وہ نئی جگہ جا کر حسب امید اپنے معیار کے مطابق نہ کما سکے تو پھر چھوٹوں کا دست نگر ہونا پڑے گا۔ اور یہ ان کی خوددار طبیعتوں کو بہت شاق تھا۔ غرض ان تمام مسائل اور ان تمام صدموں نے ان کی قوتِ فیصلہ ان سے چھین لی۔ اور ہماری برادری کے بیشتر حضرات عرصہ تک اسی ذہنی کشمکش اور تذبذب میں مبتلا رہے اور آئندہ پروگرام کے متعلق کوئی فیصلہ ہی نہ کر سکے۔ خاندان کی تفریق و تقسیم، بزرگوں کے ذہنی تذبذب اور نقد رقم کی کمی نے ہمیں ایک دفعہ پھر زندگی کی دوڑ میں پیچھے کر دیا۔ لوگ سراسیمہ اور پریشان ہو گئے۔ ثابت قدم لوگوں کے قدم ڈگمگا گئے۔ حوصلہ مند لوگوں کے حوصلے چھوٹ گئے۔

ہر شخص مستقبل کی طرف سے بے چین اور متفکر ہو گیا۔ دہلی کے مسلمان خصوصاً ہماری برادری کے حضرات کی پوزیشن مشرقی پنجاب کے مہاجرین سے بالکل مختلف تھی۔ مشرقی پنجاب سے مہاجرین کا انخلا ہوا تو ان کے سامنے صرف اپنی جان بچانے کا مسئلہ تھا۔ وہ اپنی جان بچا کر اور جو کچھ سرمایہ لا سکتے تھے لے کر مغربی پنجاب آ گئے۔ اور وہاں یکسو اور یکجہت ہو کر گورنمنٹ سے مکانات و دکانیں الاٹ کرائیں اور دلجمعی سے کام شروع کر دیا۔ وہ اس ذہنی کشمکش اور خلجان کا شکار نہیں ہوئے جو دلی والوں کے حصہ میں آیا۔ انقلاب کے بعد ہماری برادری کو سب سے بڑا نقصان اسی ذہنی تذبذب کی وجہ سے ہوا۔ برادری کا ہر خاندان اسی تذبذب اور خلجان میں تھا کہ پاکستان جائے یا نہ جائے اور اگر وہ یہاں پہنچ گیا ہے تو یہاں رہے یا واپس چلا جائے۔ ہم نے واقعات کی رفتار سمجھنے میں بڑی دردناک غلطی کی۔ ہمارے بہت سے افراد غلط خبروں کے کہنے میں آ کر یہی سمجھتے رہے کہ تبادلہ آبادی عارضی ہے اور ہم پھر اپنے اپنے وطن میں اپنے اپنے گھروں میں آباد ہو جائیں گے۔ وطن اور املاک کی محبت اور ہماری فرسودہ خیالی نے اس خوش فہمی کو اور تقویت دی۔ اور ہم ۱۹۴۷ء، ۴۸ء بلکہ ۴۹ء تک اسی خلفشار میں مبتلا رہے اور اس عرصہ میں اپنی آبادکاری کے لئے جو کچھ کر سکتے تھے وہ بھی نہ کر سکے۔ الاٹمنٹ کا سوال تو ویسے ہی خارج از بحث تھا۔ کہ الاٹمنٹ زیادہ تر مغربی پنجاب میں ہو رہا تھا۔ اور وہاں نہ تو اپنے آدمی زیادہ تعداد میں گئے تھے۔ اور نہ ہی وہاں کے سرکاری حلقوں میں ان کا کچھ اثر و رسوخ تھا۔ وہ پگڑی اور سلامی پر بھی اپنی آبادکاری نہ کر سکے۔ کراچی میں جو فلیٹ ۴۷ء میں دو ہزار روپے کی پگڑی پر مل جاتا تھا ۴۹ء، ۵۰ء میں پانچ چھ ہزار روپے کا ہو گیا یہی حال دکانوں کا ہوا۔ اس کے علاوہ ۴۸ء اور ۴۹ء میں جو تجارتی آسودگی دوسرے لوگوں کو میسر آئی ہم بڑی حد تک اس سے بھی محروم رہے۔ اسی دوران میں گورنمنٹ نے آبادکاری کے لئے ہاؤسنگ سوسائٹیوں کی جو اسکیم بنائی تھی ہم اس میں بھی کوئی حصہ نہ لے سکے۔

بہر حال ۴۹ء تک ہماری برادری کی غالب اکثریت دہلی سے منتقل ہو کر پاکستان آ گئی۔ اور جو باقی رہے وہ بھی آہستہ آہستہ بعد میں آتے رہے اور اب تو بہت تھوڑے آدمی دہلی میں موجود ہیں۔ اور وہ بھی معاشی پریشانی، عزیز و اقارب کی جدائی اور بدلے ہوئے ماحول سے پریشان ہیں اور یہاں آنے کے لئے پابہ رکاب ہیں۔ ان کے مخصوص حالات اور سیاسی وجوہ کی بنا پر ان کے تفصیلی تذکرہ سے پرہیز کیا جاتا ہے۔

ہماری برادری کی غالب اکثریت کراچی میں منتقل ہوئی اور کراچی ہی کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔ اندازہ ہے کہ پاکستانی آبادی کا تقریباً اسی فیصدی حصہ اس وقت کراچی میں آباد ہے۔ کچھ لوگ جو یہاں کی گرمی اور گرانی کے متحمل نہ ہو سکے۔ حیدرآباد چلے گئے۔ وہاں شروع شروع

میں پگڑی برائے نام تھی اور چھوٹے کاروبار اور رہائش کی سہولتیں بھی مقابلتہً زیادہ تھیں۔ تقریباً پندرہ فیصدی حضرات اس وقت حیدرآباد میں آباد ہیں۔ آبادکاری کے لحاظ سے اس کے بعد راولپنڈی کا نمبر ہے۔ تقسیم سے پہلے راولپنڈی دیسی ادویات کی تجارت کا مرکز تھا۔ اس لئے ہماری برادری کے بہت سے حضرات جو دیسی ادویات اور کریانہ کی تجارت کرتے تھے۔ راولپنڈی میں آباد ہوئے اب اگرچہ مقبوضہ کشمیر پر بھارت کے غاصبانہ قبضہ کی وجہ سے راولپنڈی کی تجارتی اہمیت اتنی نہیں ہے جتنی تقسیم سے پہلے تھی۔ پھر بھی جو لوگ آباد ہوگئے ہیں انھوں نے اپنے کاروبار جما لئے ہیں۔ اور اپنے آپ کو نئے ماحول کے مطابق بنالیا ہے۔ تقریباً ۱۵، ۲۰ خاندان اس وقت راولپنڈی میں مقیم ہیں۔ سات آٹھ خاندان لاہور میں ہیں اور کچھ پشاور، سکھر، جہلم ڈیرہ اسمٰعیل خان، ڈھاکہ، چاٹگام اور بعض دوسری جگہ ہیں۔

ابھی عرض کیا گیا ہے کہ برادری کی تقریباً اسی فیصدی آبادی کراچی میں موجود ہے۔ دارالحکومت اور بندرگاہ ہونے کی وجہ سے کراچی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور دلی کی بیشتر آبادی یہاں منتقل ہوئی ہے۔ دلی والوں کا کیرکٹر بڑا جاذب اور ہمہ گیر ہوتا ہے۔ وہ جہاں جاتے ہیں ماحول پر چھا جاتے ہیں۔ پھر کراچی میں تو تقریباً دو تین لاکھ دلی والے ہیں انہوں نے اپنی زبان، اپنے رسم و رواج، اپنا طریقہ بود و باش غرض ہر چیز کا ماحول پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ دلی والوں کی اتنی بڑی تعداد اور ماحول کی اثر پذیری نے کراچی کی فضا بالکل دلی جیسی کردی ہے۔ اور یہاں دلی والے کو کوئی اجنبیت یا غیریت محسوس نہیں ہوتی۔ گھروں میں بازاروں میں مسجدوں میں، پارکوں اور اسکولوں میں غرض ہر جگہ اسے دلی کا مزا آجاتا ہے۔ دلی کی نہاری، دلی کی باقرخانی، دلی کے کباب، دلی کے پھل اور پھول اور بیچنے والوں کی وہی سریلی اور رسیلی صدائیں، دلی کے باورچی اور قصائی، دلی کے نائی اور دھوبی۔ دلی کا پہناوا اور بول چال، دلی کے تیج تہوار، دلی کے کھیل کود، دلی کے شادی بیاہ اور عرس فاتحہ ——— مسجد میں وہی دلی والے امام صاحب مکتب میں دلی والے حافظ جی۔ نکاح میں وہی نرش خانے والے قاضی جی شادی میں وہی تونگ چڑھے والے اور سلامی کی قلفی والے ——— رمضان شریف میں روزہ کشائی اور تراویح کا وہی روح پرور منظر، بقرعید پر جامع مسجد کے چوک کی طرح وہی مہندی لگے ہوئے اور گھنٹیاں پڑے ہوئے دنبے ——— غرض یوں سمجھ لیجئے دلی والے کیا آئے پوری دلی سمٹ کر کراچی میں سما گئی ہے۔ اتنے بڑے انقلاب کے بعد لوگوں کے حواس باختہ اور اوسان خطا تھے۔ اور وہ بے وطنی اور پردیس کے خیال تک سے پریشان تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ کراچی میں آکر انھیں وطن اور عزیز و اقربا کی یاد نہیں ستاتی۔ اور وہ ذہنی طور پر آسودہ اور مطمئن ہو جاتے ہیں اور ان کو یہ ڈھارس بندھ جاتی۔ ہے کہ ان کے نام لیوا موجود ہیں۔

ہماری برادری کے لوگ بھی اسی طرح، رنچھوڑ لائن، جونا مارکیٹ، برنس روڈ اور آرٹلری میدان میں آباد ہیں۔ جس طرح ہدد کے کڑے۔ اخوندجی کی گلی۔ رحمٰن کے کوچے اور قاسم جان کی گلی میں آباد تھے ان کے شادی بیاہ۔ چھٹی چھوچھک بیماری اور موت اسی طرح ہوتے ہیں جس طرح دلی میں ہوتے تھے۔ ذہنی، روحانی اور رہائشی آبادکاری کے ساتھ کاروباری آبادکاری کے لئے بھی کچھ محسوس اقدامات ہوئے ہیں۔ اور اب ماشاءاللہ پوزیشن بہت اچھی نہ سہی امید افزا ضرور ہے۔ یوں تو ہر انقلاب میں زیر و زبر ہوا کرتا ہے۔ مگر اس انقلاب نے شدت سے یہ احساس تازہ کردیا ہے کہ تنازع للبقاء میں ذاتی صلاحیت، اہلیت اور محنت کی ضرورت ہے خاندانی وجاہت اور دولت کام نہیں آتی۔ آپ اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالئے۔ خود محسوس کریں گے کہ جو لوگ دہلی میں دولت اور امارت کے لحاظ سے ممتاز تھے اور محض اسی پر تکیہ کرتے تھے آج کس مقام پر ہیں۔ اور جو لوگ مزدوروں کی طرح جسم اور دماغ سے محنت لیتے تھے آج کہاں پہنچ گئے ہیں۔

کراچی میں برادری کے لوگوں کی دکانیں زیادہ تر جوڑیا بازار۔ جونا مارکیٹ اور اس کے نواح محمد شاہ اسٹریٹ چھبا گلی وغیرہ میں ہیں اور گزشتہ دو تین سال میں خاصی ترقی کرگئی ہیں۔ یونانی ادویات، کریانہ، تمباکو

سگرٹ، پنسارہٹہ، رنگ کیمیکل، اچار مربہ، اور دواسازی وغیرہ کے خاصے اچھے کام ہیں۔ کئی حضرات کرانہ کے تھوک بیوپاری ہیں۔ اور اپنا ڈائرکٹ امپورٹ کرتے ہیں اور دساوروں سے مال منگاتے ہیں بہت سے لوگوں کو یاد ہوگا کہ دہلی میں ہماری برادری والے ارمان کیا کرتے تھے۔ کہ ہندوؤں کی طرح وہ بھی کٹرہ میں دوکان کھولیں اور تھوک کام کریں۔ کئی مرتبہ مشترکہ کام کے لئے اسکیمیں بھی بنیں مگر وہ کبھی شرمندہ عمل نہ ہوئیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اب ایک دو نہیں پانچ چھ دکانوں پر کرانہ کا تھوک کام ہوتا ہے اور دہلی کے ہندوؤں کی بہ نسبت زیادہ بیوپار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہماری برادری کے افراد کرانہ اور پنسارہٹہ کی خوردہ فروشی میں کافی ماہر ہیں۔ اور اسی لئے انھوں نے جوڑیا بازار کی مارکیٹ میں اپنا ایک خاص مقام حاصل کر لیا ہے۔ اور آہستہ آہستہ ان کی دکانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہماری برادری کے کچھ افراد امپورٹ ایکسپورٹ کا کام کرتے ہیں۔ کچھ لوہا۔ ٹن پلیٹ، ہارڈ ویر، کتابیں، اسٹیشنری۔ بساط خانہ کا بھی کاروبار کرتے ہیں۔ کچھ لوگ چھوٹی گھریلو صنعتوں کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ لوہا سازی، روشنائی سازی۔ صابن سازی۔ اچار سازی اور پارچہ بافی کے کارخانے ہیں۔ ایک ٹرا پریس بھی برادری کے افراد کا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے افراد حکمت اور عطاری کے آبائی پیشے میں منہمک ہیں۔ اور اپنی روزی کے ساتھ ساتھ خدمت خلق بھی کر رہے ہیں۔ حکیم معظم الدین صاحب لقائی آنکھوں کے علاج میں یہاں بھی اسی طرح نمایاں ہیں جس طرح دہلی میں تھے۔ ڈاکٹر اعزاز لقائی صاحب اب مستقل طور پر کراچی آ گئے ہیں اور نیو ٹاؤن(?) ریڈیر(?) مطب کرتے ہیں۔ ڈاکٹر اہتمام الدین صاحب بھی ماشاء اللہ مقبول ڈاکٹر ہیں۔ جناب بابو فضل الٰہی صاحب ایڈوکیٹ نے کراچی کے ممتاز وکلاء میں اپنے لئے ایک خاص جگہ حاصل کر لی ہے۔ محمد نذیر صاحب برلستی(?) تعمیرات کے ٹھیکہ دار ہیں اور محفوظ لقائی صاحب برقیات وصد ابندی کے ہنرمند اور آر، سی، اے کی مشہور فرم سے منسلک ہیں۔ نبیق(?) سلطانہ نثار بچوں کے ایک کنڈرگارٹن سکول کی پرنسپل ہیں غرض من الحیث المجموع تجارت اور پیشوں میں ہم نے ترقی کی جانب کچھ قدم آگے بڑھائے ہیں خداوند تعالیٰ استقامت دے۔

سرکاری ملازمتوں کے ضمن میں ہم نے معتدبہ ترقی کی ہے اور ہمارے بہت سے افراد اچھے اچھے عہدوں پر پہنچ گئے ہیں۔ ذوالفقار لقائی صاحب کیبنٹ سکریٹریٹ میں اسسٹنٹ سکریٹری کے عہدہ پر مامور ہیں محمد احمد صاحب ٹیکسٹائل کمشنر کے دفتر میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف اکاؤنٹس ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی محمد رفیق صاحب نے سنٹرل سپیریر سروس کا امتحان پاس کر لیا ہے اور اب محکمہ دفاع میں اسسٹنٹ کنٹرولر ہیں۔ ڈاکٹر ممتاز لقائی صاحب ایم بی بی ایس، پاکستانی فوج میں لفٹننٹ کرنل ہیں۔ ارشاد لقائی صاحب یو، این، او (U.N.O.) میں پولیٹیکل افیسر ہیں۔ اور نیویارک میں مقیم ہیں۔ مظہر لقائی صاحب امریکہ کے پاکستانی سفارتخانے میں ہیں اور واشنگٹن میں ہیں۔ ظفر لقائی صاحب پی ڈبلیو ڈی میں ایس، ڈی، او، اور عبدالحامد صاحب پاکستان ریڈیو میں اسسٹنٹ میکانک ہیں۔ جھانسی والے متین صاحب بھی اب کراچی آ گئے ہیں۔ وہ ایم، ای، ایس میں ہیں۔ معین الدین صاحب لقائی اسٹیٹ بنک میں ریسرچ افیسر ہیں اور اب اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ جا رہے ہیں۔ محمد تقی صاحب پورٹ ٹرسٹ کراچی میں سپروائزر ہیں۔ انھوں نے رجسٹرڈ اکاؤنٹنٹ کا امتحان بھی پاس کر لیا ہے۔

تقسیم کے فوراً بعد انتشار و اضطرار کی جو کیفیت تھی وہ تو سبھی کو معلوم ہے۔ ہماری برادری کے افراد بھی نہایت پریشان حالی میں یہاں پہنچے تھے۔ اور اپنے اپنے جھمیلوں میں اس قدر منہمک تھے کہ کسی کو ایک دوسرے کی ہمدردی تو کیا خبر تک نہ تھی۔ برادری کے رہنما اور کارکن جو دہلی میں برادری کی قیادت کیا کرتے تھے خود منتشر اور پراگندہ تھے۔ تھوڑا عرصہ گزرنے کے بعد جب ذرا سکون ہوا اور قتل و غارت کا جو دہلکہ ان کے دل پر بیٹھا ہوا تھا وہ بھی ذرا کم ہونا شروع ہوا۔ اس وقت انھوں نے شدت کے ساتھ یہ محسوس کیا کہ نئے وطن اور نئے ماحول میں برادری جیسے سوشل ادارے کی ضرورت پہلے سے بھی زیادہ ہے اور بدلے ہوئے حالات میں جلدی سے جلدی برادری کے نظام کی تجدید

کرنی چاہیئے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے برادری کے بعض مخلص اور درد مند کارکنوں نے برادری کا عام اجتماع مشہور پریس میں منعقد کیا جس میں سب لوگوں نے برادری کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے اس بات پر اصرار کیا کہ برادری کا نظام بحال کیا جائے اور برادری کے لوگوں کی از سر نو تنظیم کی جائے۔ لوگوں میں زیادہ رابطہ پیدا کرنے اور بھولی بسری باتوں کی یاد تازہ کرنے کے لئے عام برادری کی تین چار ضیافتیں بھی ہوئیں۔ شیخ ظفر احمد صاحب، حکیم محمد تقی صاحب اور حاجی ممتاز الدین صاحب نے ان ضیافتوں کا انتظام کرکے یہ مواقع مہیا کئے کہ برادری کے افراد جو ایک ملک بلکہ ایک شہر میں ہوتے ہوئے ایک دوسرے سے بیگانہ تھے۔ باہمی رابطہ پیدا کرکے قریب تر ہو جائیں ان ضیافتوں کے بعد جو عام جلسے منعقد ہوئے ان میں چودھری محمد اشتیاق صاحب سے درخواست کی گئی کہ وہ حسب سابق چودھراہٹ کے فرائض انجام دیں۔ دہلی میں ہماری برادری کے دو چودھری تھے جو اعلیٰ مجلس انتظامی کی عمومی نگرانی میں اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ ایک چودھری معین الدین صاحب دوسرے چودھری محمد اشتیاق صاحب۔ چودھری معین الدین صاحب اس وقت تک یہاں تشریف نہ لائے تھے اس لئے چودھری اشتیاق صاحب اکیلے ہی یہ فرض انجام دیتے رہے تھوڑے عرصے بعد جب چودھری معین الدین صاحب بھی تشریف لے آئے تو ہر دو چودھری صاحبان نے دلی کی طرح یہاں بھی اپنے عہدے سنبھال لئے (چودھری معین الدین کے انتقال کے بعد شیخ محمد مقصود مرحوم برادری کے چودھری مقرر ہوئے۔ اور ان کے انتقال کے بعد یہ فرائض شیخ محمد سعید صاحب زنگ والوں کے سپرد ہوئے۔ چنانچہ اس وقت چودھری محمد اشتیاق صاحب اور چودھری محمد سعید صاحب برادری کے منتخب کردہ چودھری ہیں)

اعلیٰ مجلس انتظامی کی بھی تشکیل نو ہوئی۔ برادری کے عام انتخابی جلسے میں حسب دستور سابق اعلیٰ مجلس کے اراکین منتخب ہوئے اور جناب بابو فضل الٰہی صاحب ایڈوکیٹ کی صدارت میں نئی مجلس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ ہر سال نئے انتخاب کے بعد یہ مجلس بڑی باقاعدگی محنت اور تندہی سے اپنا کام کر رہی ہے مجلس کی کارگزاریوں کی رپورٹ تو دوسرے صفحات پر درج ہے۔ مگر یہ بات بڑے یقین اور وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اگر یہ مجلس موجود نہ ہوتی یا کام نہ کرتی تو ہم اب تک اپنی انفرادیت ضائع کر چکے ہوتے اور معلوم ہمارا کیا حشر ہوتا۔ آزادی کے بعد لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب وہ تمام پابندیوں، ذمہ داریوں اور اخلاقی قیود سے آزاد ہو گئے ہیں اور کوئی انھیں روکنے اور ٹوکنے کا مجاز نہیں ہے۔ ایک عام بے راہ روی اور خودسری کی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ اور اس فضا میں برادری اور اس کے نظام کا وقار لوگوں کے دلوں سے اٹھنے لگا تھا۔ اس وقار کو بحال کرنے کے لئے آہستہ آہستہ اس مجلس نے اپنی گرفت سخت کرنی شروع کی۔ اور معاشرتی قواعد و ضوابط کی پابندی پر زور دیا۔ الحمدللہ اب نظام اور ڈسپلن کے اعتبار سے ہماری پوزیشن بہت مضبوط ہو گئی ہے۔

قوم کی تعمیر و ترقی کے سلسلے میں مجلس نے بہت ذوق و شوق سے کام کیا ہے۔ اس نے سب سے زیادہ توجہ تعلیم پر دی ہے مختلف طریقوں سے بچوں کو تعلیم کا شوق دلایا جاتا ہے۔ اور ان کی ہمت افزائی کی جاتی ہے۔ قوم کے تمام طلباء کو جو مالی وسائل کی کمی کی وجہ سے تعلیم جاری رکھنے کے قابل نہیں ہیں وظائف دیئے جاتے ہیں اور ان کی کتابوں کا خرچ بھی مجلس برداشت کرتی ہے۔ قوم کی زکوٰۃ اور چرم قربانی جمع کرکے ضرورت مند اور نادار افراد میں بڑی باقاعدگی سے تقسیم کی جاتی ہے۔ اور یہ کوشش ہوتی ہے کہ یہ امداد اس طرح ملے کہ امداد لینے والے خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ قوم کے ضرورتمند اصحاب کو تجارتی مقاصد کے لئے قرض حسنہ دیئے جاتے ہیں۔ ان کے باہمی قضایا فیصل ہوتے ہیں ان کے معاشی، معاشرتی اور دوسرے مسائل سمجھنے سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور اسی مقصد کے لئے مجلس نے قوم کی مردم شماری بڑی محنت اور جانفشانی سے تیار کی ہے لوگوں میں ربط و محبت قائم کرنے اور ان کی رہائشی مشکلات دور کرنے کے لئے مجلس کے ایما پر یہ انتظام ہوا ہے کہ برادری والوں کی ایک نو آبادی بسائی جائے اور الحمدللہ اس مقصد میں کافی کامیابی ہوئی ہے اب یہ انتظام بھی ہوا ہے کہ دہلی میں ہماری متروکہ جائدادوں کے تبادلے

یا محاذ منے کے لئے باقاعدہ کوشش کی جلئے۔ متعلقہ اعداد و شمار فراہم کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔

مجلس کے اجتماعات بڑی باقاعدگی کے ساتھ مہینے میں دو مرتبہ شیخ محمد مقصود مرحوم کے مکان پر ہوتے ہیں اس ضمن میں شیخ محمد مقصود مرحوم کی خدمات قومی کا تذکرہ لابدی ہے۔ تقسیم ملک کے بعد مقصود مرحوم نے بڑی محنت مستقل مزاجی اور بیدار مغزی سے قومی نظام اور اس کے وقار کو بحال کرنے اور قومی تعلیم و ترقی کے منصوبوں کی تکمیل کے لئے کام کیا۔ اور دامے درمے قلمے سخنے ہر طرح امداد کی۔ اعلیٰ مجلس انتظامی کی کارگذاریوں میں ان کی کوششوں کو بڑا دخل حاصل ہے۔ یہ رسالہ بھی دراصل انہی کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ وہ تعلیم و ترقی کے مسائل میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ اور انہی کے ایماء اور حوصلہ افزائی سے بہت سے کام انجام پذیر ہوئے۔ بڑے محنتی، مخلص اور دوراندیش بزرگ تھے۔ ان کی پوری زندگی خدمات قومی سے پُر ہے۔ بچپنے سے لیکر آخر عمر تک وہ اسی تگ و دو میں لگے رہے۔ افسوس ان کی اچانک وفات نے ہماری قوم کو ایک مخلص رہنما اور محنتی مگر خاموش کارکن سے محروم کر دیا۔

ناقدر شناسی ہوگی اگر یہاں جناب شیخ فضل الٰہی صاحب ایڈوکیٹ کی خدمات کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ شیخ صاحب موصوف نے بڑی بیدار مغزی، معاملہ فہمی اور استقلال کے ساتھ برادری کے نظام کو بحال کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ شروع سے اب تک اعلیٰ مجلس انتظامی کے صدر ہیں۔ اور ہر سال بلامقابلہ صدر منتخب ہوتے ہیں۔ ان کی صدارت اور رہنمائی میں مجلس اپنا کام بحسن و خوبی انجام دے رہی ہے۔

اعلیٰ مجلس کے علاوہ برادری کی دوسری جماعتوں نے بھی اپنے آپ کو بحال کر لیا ہے اور اپنے اپنے دائرہ میں کام کر رہی ہیں۔ بزم ادب جو برادری کے نوجوانوں کی ادبی انجمن ہے یہاں بھی اسی طرح کامیاب ہے جس طرح دہلی میں تھی۔ تقسیم کے بعد اس کا پہلا جلسہ شیخ محمد مقصود مرحوم کے مکان پر ہوا اس کے بعد حاجی مشتاق احمد صاحب، شیخ ظفر احمد صاحب، ڈاکٹر اہتمام الدین صاحب، حکیم محمد تقی صاحب اور چودھری محمد سعید صاحب کے مکانوں پر اس کے اجتماعات ہوئے۔ حالیہ اجلاس میں قوم کے طلباء اور طالبات نے خود اپنی بنائی ہوئی تصاویر اور دستکاری کی نمائش کی اور انعامات حاصل کئے۔ یہ نمائش معیار کے لحاظ سے خاصی بلند تھی۔ اور قوم کے ہونہار طلباء کے خوش آیند مستقبل کا پتہ دیتی تھی۔

قوم کے بچوں نے اپنی جماعت ضیاء الادب کی تجدید کر لی ہے اس انجمن کے باقاعدہ اجتماعات ہوتے ہیں اور تحریری و تقریری مقابلے ہوتے ہیں۔

خلیقی کلب کا احیا بھی ہو گیا ہے۔ برادری کے نوجوانوں کی یہ کلب تفریحی مقاصد کے لئے ہے۔

برادری کے افراد پر مشتمل ایک نئی انجمن "احباب صادق" کے نام سے بنی ہے اور اس انجمن کا مقصد یہ ہے کہ ممبروں کے لئے مشترکہ طور پر ایک جگہ زمین کے پلاٹ حاصل کئے جائیں تاکہ وہ اپنے مکانات بنا کر ایک جگہ رہائش اختیار کر لیں۔ اور اس طرح ایک کولونی بن جائے۔ چنانچہ کراچی امپرومنٹ ٹرسٹ سے گفت و شنید کر کے اب اس انجمن کو یہ امید ہو گئی ہے کہ عنقریب شمالی ناظم آباد کے علاقے میں یہ پلاٹ مل جائیں گے اور انشاء اللہ برادری کی ایک کولونی بن جائے گی۔

کراچی کے علاوہ حیدرآباد اور راولپنڈی میں بھی مقامی ضروریات کی تکمیل کے لئے برادری کی انجمنیں بنی ہوئی ہیں۔ حیدرآباد میں انجمن ارباب اتحاد قایم ہے جس کے صدر حکیم قیام الدین صاحب اور سکریٹری محمد دین صاحب ذکائی ہیں۔ حیدرآباد میں بھی برادری کے لوگ زیادہ تر تجارت کرتے ہیں۔ محمد عتیق صاحب سوٹ والے۔ محمد حسین صاحب اعجازی کتابوں والے اور محمد تقی صاحب ٹوپی والے قابل ذکر ہیں۔ شیخ فضل عظیم صاحب چھرے والے بھی حیدرآباد

میں مقیم ہیں راولپنڈی کی انجمن کا نام ارباب ارتقاء ہے اور اس کے صدر جناب حکیم امین الدین صاحب اور سکریٹری جناب ڈاکٹر رحمت اللہ صاحب ہیں۔ راولپنڈی میں برادری کے اصحاب نے مقابلۃً اچھی ترقی کی ہے۔ محمد یقین صاحب سگرٹ والے حافظ محمد اعجاز صاحب کرانہ والے اور تجمل حسین صاحب قابل ذکر ہیں۔ لاہور میں تجمل حسین و حبیب اللہ صاحبان کا جیپ جنرل اسٹور اور محمد عظیم و محمد بشیر صاحبان کا قریشی الیکٹرک البینس مارٹ قابل ذکر ہے۔ پشاور میں حاجی محمد الیاس صاحب، ڈھاکہ میں خلیل الرحمٰن صاحب اور سکھر میں عابد حسین صاحب کاروباری لحاظ سے قابل ذکر ہیں۔

غرض یہ ہے مختصر خاکہ برادری کی سو سالہ داستان کا۔

——— اس طویل مدت میں نہ معلوم کتنے قہقہے، کتنی شادمانیاں اور کتنے ارمان مرنے والوں کے ساتھ مر گئے ہوں گے اور کتنے آنسو، کتنی آہیں اور کتنی مایوسیاں اپنے جلو میں چھوڑ گئے ہوں گے۔ یہ کون جانے اور کون بتائے۔ ہاں یہ تو ہم بھی دیکھ رہے ہیں کہ لال قلعے کے رہنے والوں کو قدرت نے آج لالو کھیت میں پھینک دیا ہے۔

——— مگر لالو کھیت کے رہنے والے مایوس نہ ہوں انھیں تاریخ کا یہ انمٹ سبق یاد رکھنا چاہیئے کہ لال قلعہ بنانے والے شاہجہاں کا دادا بابر برسوں ترکستان کے لالو کھیتوں میں صحرا نوردی کرتا رہا۔ اور یہ اسی صحرا نوردی، جادہ پیمائی اور اولوالعزمی و بہادری کا صلہ تھا کہ اس کا پوتا شاہجہاں تخت طاؤس پر بیٹھا پورے ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا اولوالعزمی، محنت اور ایمانداری سے کام لیا جائے اور فضل الٰہی شامل حال ہو تو ایک نہیں سینکڑوں لال قلعے بن جائیں گے۔

مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد
کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد

بقیہ بزم ادب

اس پروگرام کے دوران میں کہیں سے ایک سندھی اور ایک پناہ گیر باتیں کرتے ہوئے نکل آئے۔ لیکن حاضرین نے باوجود کارکنان بزم کے اظہار ناواقفیت کے دلی زبان سے کہنا شروع کر دیا۔ کہ یہ تو جناب حبیب بخش صاحب ہوش اور حکیم صالحین صاحب ہیں۔ واللہ اعلم ان کا اندازہ کہاں تک درست ہے

اس کے بعد نظم۔ کہانی اور لطیفہ کا دور شروع ہوا جس میں قوم کے ننھے منوں نے بزرگوں کے سامنے اپنے اظہار خیال کی تربیت حاصل کی اور یہ بتایا کہ ہماری موجودگی میں قوم کے مستقبل سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ خدا ان سب کو مقرری۔ افسانہ نویسی، شاعری اور لیڈری کے اعلیٰ جوہر عطا کرے۔

پروگرام اور انتظام کو حاضرین نے ظاہراً طور پر پسند فرمایا۔ اور اس طرح بیچارہ سکریٹری جو ابتدا میں بہت شرمندہ اور مایوس سا تھا کہ انتظام اس کے خاطر خواہ نہ ہو سکا۔ مہمانوں نے چہرہ پر اس تعریف کو پڑھ کر دوبارہ ان کے سامنے جانے کی ہمت کر سکا۔ آئندہ کے لئے بڑے بڑے وعدے عید کے تحفے کے طور پر خدمت میں پیش کئے۔ اور مہمانوں کو ہنسی خوشی رخصت کیا۔

اللہ اگر میری اور آپ کی زندگی دے تو آئندہ سال عید پر پھر ملاقات ہوگی آخر عید دور ہی کتنی ہے صرف دس ماہ باقی ہیں انشاء اللہ بزم ادب آپ کی عید کی خوشیوں میں مزید اضافہ کا سبب بنتی رہے گی۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں!
(اقبال)